دہشت زادی

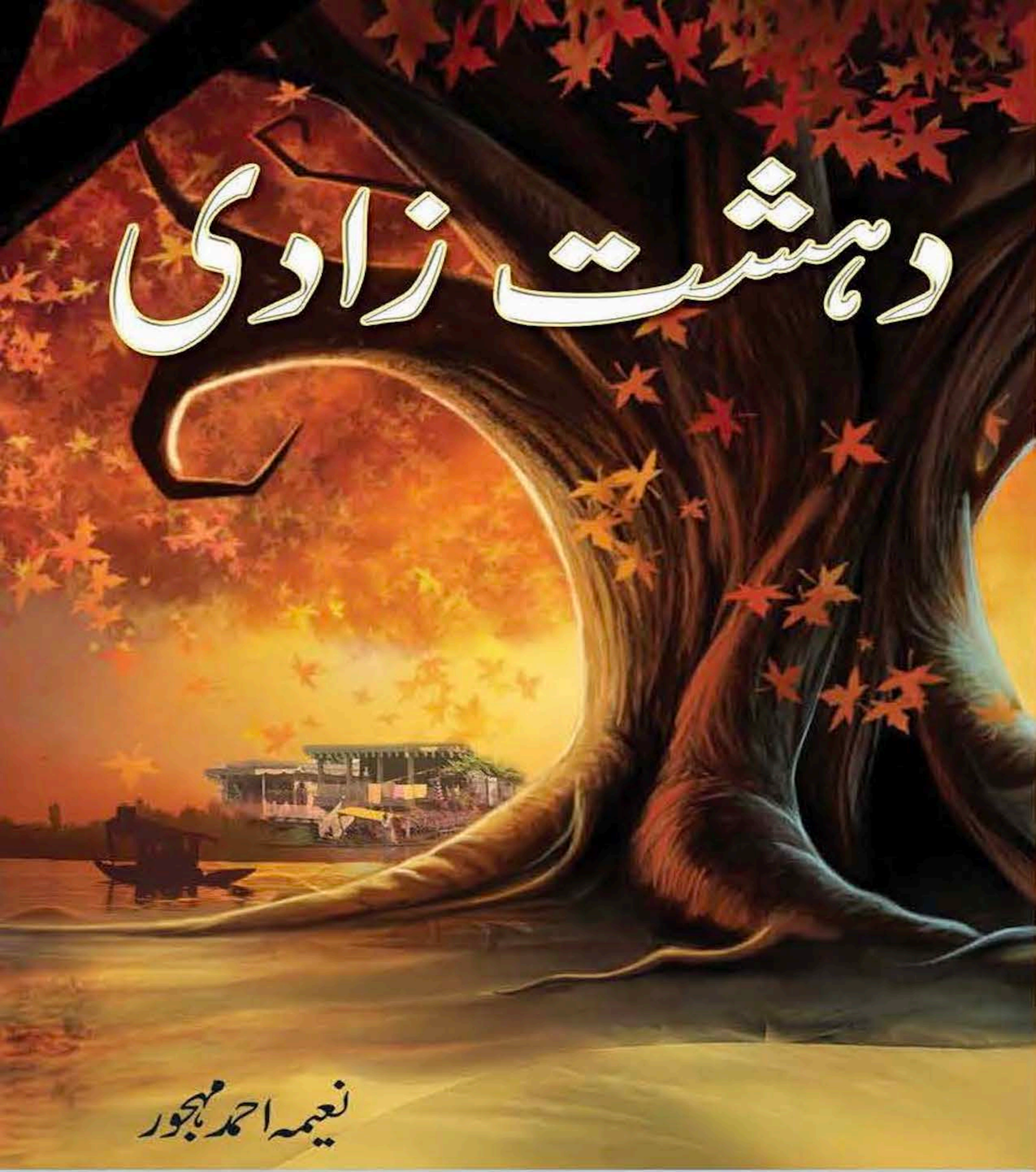

نعیمہ احمد مہجور

ایک کشمیری خاتون کی داستان

دہشت زادی

نعیمہ احمد مہجور

محمود ہاشمی اور قدرت اللہ شہاب کے بعد کشمیر کے بارے میں کوئی تحقیقی مقالہ یا تخلیقی ناول نہیں لکھا گیا۔ نعیمہ احمد مہجور نے نہ صرف موجودہ صورت حال کو ناول کے قالب میں ڈالا ہے بلکہ مجھے وہ ساری حکایتیں اور داستانیں یاد کرا رہی ہیں جو فلسطینی، جنوبی افریقہ اور جنوبی امریکہ میں سامراجیت کے خلاف ناول اور نظمیں لکھی گئیں ہیں۔

کشمیر گزشتہ باسٹھ سال سے ایسا متنازعہ مسلہ رہا ہے جس کو نہ صرف عالمی ادارے حل کرنے میں ناکام رہے ہیں بلکہ ہندوستان اور پاکستان کی مملکتوں نے سنجیدگی سے نہیں سوچا کہ کشمیر اُس کے عوام کی ملکیت ہے۔ عوام کی رائے کے مطابق اس کا حل کیا جاتا تو آج دونوں ملکوں کے یہ حالات نہ ہوتے۔ اگر کشمیری آزاد ہیں تو سات لاکھ فوج مسلط رکھنے کی ضرورت کیوں ہے؟

دونوں ممالک جانتے ہیں کہ فساد اور تنازعات کو طوالت دینے سے دونوں ملکوں کا نقصان ہے اور جو نسلیں فوجی قبضے کے دوران پرورش پا رہی ہیں ان کی ذہنیت اور مستقبل کیسے بہتر ہوگا اور وہ ان ملکوں کے تئیں کیا جذبات رکھتے ہوں گے۔

بہت ممکن ہے کہ اس موضوع پر کشمیر میں اور بھی تحریریں قلم بند ہوئی ہوں جو میری نظر سے نہیں گزری مگر نعیمہ کا اندازِ تحریر بہت سادہ مگر پُر کار اور پُر وقار ہے۔ یہ

لڑائی مستحسن نہیں مگر اس کا جواز صرف ہندوستان کے حکمران ہی دے سکتے ہیں۔ شاید نعیمہ کے ناول کو پڑھ کر حکمرانوں کی ذہنیت بدل جائے اور پردے کے پیچھے جو کچھ ہو رہا ہے اس پر مزید تحریروں کی صورت میں پردہ اُٹھ جائے۔

کشور ناہید

دہشت زادی اُس کشمیری خاتون کی داستان ہے جو اپنے کیریر کے آغاز پر اُس وقت پرُ تشدد حالات کے شکنجے میں پھنس گئی جب وادی کشمیر میں سن اسی کے اواخر میں حصول آزادی کے خاطر عسکری تحریک شروع ہوگئی اور ہر طرف قتل وغارت گری، تباہی اور بربادی کے نتیجے میں اُسے اپنے گھر نوکری اور شوہر پر اختیار نہیں رہا۔ عسکری تحریک نے مسلم آبادی میں بھارت سے آزادی حاصل کرنے کے جذبے کو دوبارہ اجاگر کیااور وہ بھی اس جذبے سے سرشار ہوکر آزاد مملکت کا خواب پھر دیکھنے لگی مگر تحریک کے ساتھ اُس کے شوہر کی جنونی حد تک وابستگی سے اُس کی ازدواجی زندگی بُری طرح متاثر ہوگئی۔ گھریلواور بیرونی حالات اس قدر بدتر ہوتے گئے کہ اُس کو بعض اوقات عسکریت پسند اور بھارتی فوجی کے طرز عمل میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوا۔ جب حالات اُس کے قابو سے باہر ہوگئے تو وہ روایتی معاشرے میں رہ کر زندگی کے ہر پہلو سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوگئی حتیٰ کہ آزادی کے خواب کو بھی دل کے کسی کونے میں پھر دفن کرناپڑا۔

اٹھارہ ستمبر 1988: بھارت کے زیر انتظام ریاست جموں و کشمیر میں ایک پولیس افسر کے گھر پر بعض بندوق برداروں کے حملے کے بعد بھارت نواز حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہروں کے دوران آزادی کے حق میں مطالبہ پھر زور پکڑنے لگا ہے۔

میرے بار بار گھڑی کی طرف دیکھنے سے طاہرہ اتنی تِلملا گی کہ اُس نے مشین کا ریکارڈنگ بٹن دبایااور کہنے لگی" چلی جاؤورنہ میں آپ کی اِن حرکتوں سے پاگل ہو جاؤں گی"

اُس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر میں نے اپنا بیگ، اپنی عینک اور کتاب اٹھائی۔ بجلی کے قمقموں کی روشنی میں نہائی ہوئی لمبی گلی سے میں دروازے کی جانب دوڑنے لگی۔

چند لمحوں میں دفتر کے بیرونی دروازے سے نکل کر میں باباکے گھر کی طرف چل پڑی۔

جب سے ہم سب بہنوں کی شادی ہوئی ہے اُس وقت سے ہم سب بہنوں نے باباسے ملنے کاایک ایساطریقہ اختیار کیاہے کہ جس کاعلم صرف ہم بہنوں کو ہے یابابا کو۔

ہم سب بہنیں ملازمت کرتی ہیں، مختلف گھروں میں بیاہنے کے بعد ایک وقت پر ہمارا ایک ساتھ ملنااگرچہ ناممکن نہیں لیکن مشکل ضرور ہے۔اپنے شوہروں یاسسرال والوں کی اجازت کے بغیر باباکے گھر بار بار جانااور بہنوں کے ساتھ خفیہ گپ شپ کرنا ذرا معیوب سمجھاجاتاہے۔اگر باباکے گھر مہینے میں ایک آدھ بار ملنے بھی جاتے ہیں تو پہلے شوہر یاسُسرال والوں کی اجازت لیناخلاقاضروری ہے۔